رجسٹرڈ نمبر آصفیہ (۱۸۰)

شرح چندہ
سالانہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ے
ششماہی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ؎

قیمت پرانا پرچہ (۴/)

ہفتہ وار

مملکت

ایڈیٹر: میر حسن الدین
مینجنگ ایڈیٹر: سید عابد حسین

رجسٹرڈ نمبر آصفیہ (۱۸۰)

شرح چندہ
سالانہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ے
ششماہی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ؎

قیمت فی پرچہ (۲/)

جلد (۹) | ۵/امرداد ۱۳۵۸ ف | ۷/شعبان ۱۳۶۸ھ | ۵/جون ۱۹۴۹ء روز یکشنبہ | نمبر (۸)

”تبدیلی قلب کی ضرورت“

معاصر ”مشیر دکن“ کا تبصرہ

معاصر محترم ”مملکت“ نے اپنی تازہ ترین اشاعت میں ایک اداریہ سپرد قلم فرمایا ہے جس کا عنوان ہے ”تبدیلی قلب کی ضرورت“۔ اس مضمون میں مسٹر رنگ راؤ مدیر ”رعیت“ کے ایک حالیہ بیان پر تبصرہ فرمایا گیا ہے۔

مسٹر رنگ راؤ کا بیان بے حد قابل ستائش ہے۔ اس سے مسٹر موصوف کے دلی خلوص کا اظہار ہوتا ہے۔ چنانچہ اکثر اخبارات میں اس بیان کا خیر مقدم کیا گیا ہے۔ موصوف کا یہ خیال بالکل صحیح ہے کہ:

اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ کچھ لوگ چند مسلمان پاکستان جائیں گے تب بھی حیدرآباد کے تمام مسلمان پاکستان نہیں جائیں گے۔

ہندو اور مسلمان اس خطہ ملک میں صدیوں سے رہتے ہیں۔ دکن میں ان دونوں طبقات رعایا کا تعلق عرصہ دراز سے دوستانہ رہا ہے۔ ملک کی بدقسمتی ہے کہ چند سال سے بعض حضرات یا بعض ادارو کی طرف سے ایسا پروپگنڈا ہوتا رہا کہ ان دونوں فرقوں میں رنجش اور عناد کا سلسلہ شروع ہوگیا اور اس میں تا حال تک بتدریج اضافہ ہوتا گیا۔ رضاکاروں کی سرگرمیوں سے ہندوؤں کے جذبات بری طرح متاثر ہوگئے اور پولیس ایکشن کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ہندوؤں میں جو شخص انتقام لینے کا جس کا خیرہ دی ہوا جو ان حالات میں ہو سکتا تھا۔ ان افسوس ناک اور غیر انسانی حرکات کا ہر انسانیت پسند شخص کو جو اوارہ ہندو ہو یا مسلمان مساوی طور پر رہا ہے اور عرصہ دراز تک رہے گا۔

مسرت کی بات ہے کہ ان حرکات کا جلد بند ہوگیا۔ اس وقت ضرورت اس کی ہے کہ ہر دو طبقات کے لوگ گزشتہ حالات کو بھول جائیں اور سابقہ روایات دوستانہ کی طرف عود کر جائیں۔ ہم کو اس کا ذاتی طور پر تجربہ ہے کہ فرقہ وارانہ جذبات جو حال میں پھیلائے گئے ہیں ان کا اثر پرانے لوگوں پر اتنا نہیں ہوا جتنا کہ نوجوانوں پر ——— اور بدقسمتی سے کم عمر والے بچوں اور بچیوں پر ——— ہوا ہے۔ پرانے لوگ ہندو اور مسلمان آج بھی جب کبھی ایک دوسرے سے ملتے ہیں نئی فضا پر دل سے افسوس ظاہر کرتے ہیں۔ ان لوگوں میں تبدیلی قلب کی ضرورت نہیں آتی البتہ نوجوانوں بچوں اور بچیوں میں اس کی انتہائی ضرورت ہے۔

ملک سرکار عالی کے ہندو اور مسلم طبقات کے دوستانہ بلکہ برادرانہ تعلقات کا ہم کو جو تجربہ نصف صدی کا ہے اس سے یہ امید ہوتی ہے کہ اگر پرخلوص کوشش عمل میں لائی جائے تو بتدریج مسموم فضا کا مبدل ہو جانا ——— یہ الفاظ دیگر تبدیلی قلب کا عمل میں آجانا غیر ممکن نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ:

اس مقصد کے لئے محض اخباری بیانات یا غیر ساجی عناصر کی مذمت کافی نہیں ہے اس کے لئے عملی اقدام کی ضرورت ہے۔

تاہم ذی اثر ہندو اور ذی اثر مسلم پبلک کارکنوں کی طرف سے بذریعہ بیانات اخباری یا بدوران تقاریر صحبت مجلس اور پرخلوص خیالات کا اظہار ہوتا جائے تو اس کا ضرور کچھ فائدہ ہوگا۔

خدا کرے کہ ملک کے ان دونوں طبقات رعایا میں سابقہ خوشگوار تعلقات پھر سے آجائیں اور عملی زندگی میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون عمل کرنے کا جوش ترقی پذیر ہو۔

۷۸۶

مملکت
ہفتہ وار

۵ امرداد ۱۳۵۸ ف

شذرات

کس کی مخالفت؟

راجہ دھونڈے راج بہادر نے کمیونزم کے مقابلے کے لیے ایک محاذ بنانے کی مہم شروع کی ہے۔ ہمیں اس مہم کی تفصیلات کا علم نہ ہو سکا۔ لیکن اجمالی طور پر ہم اتنا عرض کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ کمیونزم کے معاشی پروگرام کا مقابلہ کرنے کی کوشش سودمند نہیں ہو سکتی۔ البتہ جس ذہنیت کا مقابلہ کرنا ضروری ہے وہ کمیونسٹ پارٹی کا تشدد آمیز مسلک ہے۔ بہ الفاظ دیگر کمیونسٹ پارٹی کے طریقۂ کار سے اختلاف ہر امن پسند شہری کے لئے ایک فطری امر ہے نفس کمیونزم سے اختلاف کرنے کے لئے ہمارے پاس معقول وجوہ نہیں۔ یہ ایک جداگانہ سوال ہے کہ حیدرآباد میں جو پارٹی اپنے آپ کو کمیونزم سے وابستہ ظاہر کرتی ہے وہ کس حد تک کارل مارکس کے نظریہ حیات پر عمل پیرا ہے۔ ہمارے قارئین واقف ہیں کہ بجز معدودے چند افراد کے جن کے خلوص میں ہمیں کوئی شبہ نہیں اس پارٹی کے کارکنوں کی اکثریت سے ہم کچھ بدظن رہے ہیں۔ ہماری بدظنی اس نوعیت کی نہیں ہے جب ہم مفادات حاصلہ کی جانب سے پیدا کی جاتی ہے کیونکہ ہمارا اپنا کوئی مفاد حاصلہ نہیں ہے جس کی ہمیں حفاظت کرنی ہو۔ ہم خود ایک مزدور ہیں جو محنت کے ذریعہ اپنی روزی کماتے ہیں۔ خالص کمیونزم سے ہمیں بجائے نقصان کے فائدہ ہی ہوگا لیکن کمیونزم کی اصطلاح کا بیجا استعمال کر کے چند اشخاص کا جبر و ظلم، استحصال ناجائز اور فاسطی طریقوں سے اپنے مخالفین کو مرعوب یا مغلوب کرنا ایسی چیزیں ہیں جن کی مخالفت ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں۔

راجہ دھونڈے راج بہادر کو ہم یہ مشورہ دیں گے کہ وہ اپنی جدید مہم کے مقاصد کو واضح فرمائیں۔ اگر راجہ صاحب یہ نہیں چاہتے کہ دولت یا ذرائع پیداوار کی منصفانہ تقسیم ہو، ہر فرد ان کو کھانا، کپڑا، تعلیم، طبی امداد اور سر چھپانے کے لئے آسرا ملے تو ہم راجہ صاحب کو یقین دلاتے ہیں کہ ایک اوسط شہری ان کے پروگرام کی تائید نہیں کرے گا۔ لیکن اگر وہ موجودہ کمیونسٹ پارٹی کے طریقۂ کار سے اختلاف کرتے ہیں اور اس کے تشدد آمیز مسلک کی مذمت تو راجہ صاحب کی تحریک کو ہر شریف اور امن پسند انسان کی تائید حاصل ہوگی۔

جہاں تک ہم نے سنا ہے حیدرآباد کی فوجی حکومت بھی نفس کمیونزم کی مخالف نہیں ہے۔ وہ صرف اس کے تشدد آمیز طریقوں اور بدامنی پیدا کرنے والی تحریکات کو برا سمجھتی ہے۔ اس حد تک ہم حیدرآباد کی فوجی حکومت سے متفق ہیں۔ اگر راجہ دھونڈے راج بہادر بھی کسی بیان یا تقریر کے ذریعہ اپنے موقف کو واضح فرما دیں تو بہتر ہوگا۔

انسانی جان کا تحفظ

ہم ان گیارہ شہریوں کو مبارکباد دیتے ہیں جن کے بیان کے فوری بعد حیدرآباد کی فوجی حکومت نے نلگنڈہ کے آٹھ ملزمین کی سزائے موت کو ملتوی کر دیا۔ ملزم خواہ کمیونسٹ ہو یا رضاکار اس کو اپنی صفائی پیش کرنے کے لیے پوری سہولتیں حاصل ہونی چاہئیں اور اس کو مرافعہ کا حق بھی ملنا چاہیے۔ میجر جنرل چودھری قابل مبارکباد ہیں کہ انھوں نے ہائیکورٹ کے اس حق کو تسلیم کیا کہ وہ ایسے جملہ مرافعہ جات کی سماعت کرے۔ اگر نلگنڈہ کے آٹھ ملزمین نے قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر اپنے ہی جیسے انسانوں کا قتل کیا ہے تو ہائی کورٹ انھیں سزا دے گا۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ انھیں اپنی مدافعت کا پورا حق حاصل رہے۔ ڈاکٹر جیسوریا کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ملزمین کو قانونی امداد تو کجا اپنے عزیز و اقربا سے ملنے کی بھی اجازت نہیں دی گئی۔ ہم نہیں سمجھتے کہ پنڈت نہرو ایسے عمل کو جائز رکھیں گے۔ ضرورت اس کی ہے کہ میجر جنرل چودھری اس مسئلہ میں شخصی دلچسپی لے کر امکانی بدعنوانیوں کا انسداد فرمائیں۔

سر ظفر اللہ نے کیا کہا؟

اگر سیامتی کونسل میں حیدرآباد سے متعلق سر ظفر اللہ کی طویل تقریروں کا منشا صرف یہ تھا —— جیسا کہ بعض اخبارات سے ظاہر ہوتا ہے —— کہ لائق وزارت کے ارکان یا دیگر مسلم نظربندوں کو عام معافی مل جائے اور ان کے متعلقین ان تو ان پر انھیں تصرف حاصل ہو جائے تو ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ سر ظفر اللہ نے مجلس اقوام متحدہ کے قیمتی گھنٹوں کو ضائع کیا۔ ان کو یا خود عالم اسلام کو اس امر سے کیا دلچسپی کہ زید یا بکر نظربند ہیں یا آزاد۔ سر ظفر اللہ کی تقریر کی اٹھان تو ایسی تھی کہ گویا وہ کسی مظلوم قوم کی دردناک داستان کو دنیا پر آشکار کر کے اس کے لیے بین الاقوامی عدالت سے انصاف طلب کر رہے ہیں لیکن تقریر کی تان اس مطالبہ پر ٹوٹی کہ لائق علی وزارت کے ارکان اور دیگر مسلم نظربندوں کو رہا کر دیا جائے اور بقیہ کے لیے عام معافی کا اعلان کیا جائے تو ہمیں سر ظفر اللہ کی تقریر سے اس وجہ سے سخت تکلیف ہوئی۔ حیدرآباد کے مسلمان معافی کی بھیک مانگنا نہیں چاہتے۔ اس مسئلہ پر دکن کے مسلمانوں کا موقف یہ ہے کہ اگر ان کے کسی بھائی نے قانون وقت یا اخلاق کے مسلمہ اصولوں کے حدود سے تجاوز کیا ہے تو ایسے خاطی کو آزادانہ عدالتی تحقیقات کے بعد سخت سزا ضرور ملنی چاہیے —— خواہ خاطی کا شخصی مرتبہ بلند ہو یا پست۔ حیدرآباد کے مسلمانوں کو ضرور یہ دکھ ہے کہ ان کی قوم کے ہزارہا بے گناہ افراد پر قیامت توڑی گئی اور صدہا بے گناہوں کو بلا وجہ پریشان کیا گیا۔ لیکن اس صدمہ کی دوا ان کے نزدیک یہ نہیں کہ وہ عام معافی کی بھیک مانگیں۔ ان کے مذہب نے ایسے حالات میں ان کو صبر کی تلقین کی ہے۔ سر ظفر اللہ خاں نے اگر اخباری بیانات صحیح ہیں عام معافی کی تجویز پیش کر کے مسلمانان دکن کے احساس خودداری کو مجروح کیا ہے یہ تقریباً ایسی ہی مذموم حرکت ہے جو جمعیت علماء کے ارکان وقتاً فوقتاً اپنے دہلی کے سفر کے دوران میں کیا کرتے ہیں جس سے ہر شریف اور خوددار مسلمان شرم سار

ہے۔ خدا کرے کہ اخباری اطلاع غلط ہو اور سر ظفر اللہ نے ایسی چھوٹی بات نہ کہی ہو۔

ہندوستانی اخبارات سے ہمیں یہ شکایت ہے کہ انھوں نے سر ظفر اللہ کی تقریر کو پوری طرح رپورٹ نہیں کیا۔ مفادات حاصلہ کی خاطر کم از کم صحافت کو تو اخفائے حقیقت کے جرم کا مرتکب نہ ہونا چاہئے۔

سوئٹزرلینڈ کی زبانیں

ان کی گفتگو ذریعہ مراسلت ہے۔ لیکن پھر بھی کچھ بے وقوف آدمیوں نے اسی کو جھگڑے کا سبب یا بہانہ بنالیا ہے۔ لیکن یہ بات شاید تعجب خیز معلوم ہوگی کہ سوئٹزرلینڈ جہاں مختلف زبانیں موجود ہیں۔ تاریخ کے لسانی جھگڑوں سے بچا رہا ہے وہ ہمیشہ اسی تاریخی اصول کی کہ ایک قوم کی نجات لسانی یکجہتی میں ہے ہمیشہ کرتا رہا ہے۔ یقیناً یورپ میں کہیں بھی کوئی اتنا چھوٹا ملک جس میں بہت سی زبانیں ہوں موجود نہیں ہے۔ باایں ہمہ داخلی امن جس قدر یہاں محفوظ رہا اتنا کہیں نہیں رہا۔ ہمیں سوچنا چاہئے کہ کیوں؟ اس لئے کہ سوئٹزرلینڈ نے زبان کا مسئلہ طاقت سے نہیں باہمی افہام و تفہیم سے اور قدرتی طور پر حل کرنے کی کوشش کی ہے۔

سوئٹزرلینڈ کے ۴۵ لاکھ باشندوں میں سے ۷۲ فی صدی جرمن بولتے ہیں ۲۱ فی صدی فرانسیسی، ۵ فی صدی اطالوی اور ایک فی صدی رومانش بولتے ہیں۔ سوئٹزرلینڈ کے باشندے زبانوں کے اس اختلاف میں دلچسپی لیتے ہیں، کیونکہ ان کے خیال میں یہ زندگی میں قدرت پیدا کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جرمن بولنے والے سوئس باشندے عام زبان کے علاوہ آپس کے میل جول میں علاقائی زبان استعمال کرتے ہیں۔

عام طور پر سوئس باشندے ان زبانوں کو سیکھنے کا شوق رکھتے ہیں جو ان کے دوسرے ہم وطن بولتے ہیں وہ اس چیز کو اس لئے اور بھی ذوق و شوق سے حاصل کرتے ہیں کہ سوئٹزرلینڈ کی تین زبانیں جرمن، فرانسیسی اور اطالوی یورپ کی بھی اہم زبانیں ہیں زیورچ میں رہنے والا ایک شخص فرانسیسی زبان سیکھتا ہے جو کہ جنیوا میں بولی جاتی ہے۔ بلکہ یہ اس کے پیرس، بیلجیم اور شمالی افریقہ میں بھی کام آئے گی اسی طرح اس کے دوسرے ہم وطن جو جرمن سیکھتے ہیں۔ وہ نہ صرف ایک چھوٹے سے علاقے کی زبان سیکھتے ہیں بلکہ ایک ایسی زبان ہے جو دس کروڑ انسانوں کی زبان ہے۔ یہی حیثیت اطالوی زبان کی ہے کہ اس کو اس کو سیکھنے کے بعد آپ کو سلیس اور بڑی بولی میں بھی آسانی رہے گی۔

بنا بریں جو شخص سوئٹزرلینڈ کی تین اہم زبانیں سیکھ لیتا ہے۔ وہ دنیا کی منڈیوں میں فائدہ میں رہتا ہے بلکہ اس طرح پر وہ اس ادب کا مطالعہ کر سکتا ہے، جو گوئٹے، والٹیر اور ڈانٹے نے تخلیق کیا ہے۔

یہ صرف رومانش زبان ہے جو سرحد سے باہر نہیں پائی جاتی۔ لیکن سوئٹزرلینڈ اسی طرح اس کی زبان کو برقرار رکھنے میں کتنی دلچسپی لیتا ہے؟ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۹۳۸ء میں اس زبان بولنے والی چھوٹی قوم نے یہ مطالبہ کیا کہ اس زبان کو بھی وہی درجہ دیا جائے جو دوسری زبانوں کو حاصل ہے۔ نوے فیصدی رائے دہندگان نے اس کے حق میں ووٹ دیا۔ اور سوئٹزرلینڈ کی تاریخ میں کسی چیز کی حمایت میں کبھی اس قدر ووٹ نہیں گئے تھے جتنے کہ اس کے حق میں آئے حالانکہ اس کا مقصد صرف چند لوگوں کو خوش کرنا تھا۔ اسی کے بعد سے فیڈرل قانون کی دفعہ یوں بنائی گئی ہے کہ جرمن، فرانسیسی، اطالوی اور رومانش زبانیں سوئٹزرلینڈ کی زبانیں کہی جائیں گی مگر سرکاری زبانیں جرمن، فرانسیسی اور اطالوی ہیں۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ اس کا یہ مطلب ہے کہ ہر شخص نیشنل کونسل یا کونسل آف اسٹیٹس میں سے کوئی زبان بول سکتا ہے اور کسی دیگر زبان کے لئے ترجمانی کی ضرورت ہوگی۔ تمام قوانین ان تینوں زبانوں میں تیار ہوں گے جو درجہ کے لحاظ سے برابر ہیں ہر ایک سوئس کو یہ حق حاصل ہے کہ سپریم کورٹ کا فیصلہ ان تینوں میں سے کسی زبان میں حاصل کرے۔ قانون میں یہ بات درج ہے کہ اس عدالت میں پانچ ججوں پر مشتمل ہے۔ تینوں سرکاری زبانوں کے نمائندے شامل ہوں گے۔

اگرچہ قانون میں اس قسم کی کوئی دفعہ موجود نہیں ہے۔ لیکن انتظام اس طرح پر کیا جاتا ہے کہ نیشنل کونسل میں ایک اطالوی بولنے والا نمائندہ دو فرانسیسی بولنے والے نمائندے شامل ہوتے ہیں۔ حالانکہ جرمن بلحاظ آبادی ۷۰ ہیں مگر وہ چار نشستوں پر قناعت کرتے ہیں۔ بشرطیکہ دوسری زبانوں کے نمائندوں کو مناسب نمائندگی مل جائے۔ حقیقتاً کنفیڈریشن ان دو چھوٹی زبانوں کو قطعاً نہیں دبانا چاہتی۔ بلکہ ان کی امداد کرتی ہے۔ تاکہ وہ اپنے قومی کردار کو باقی رکھیں جو کہ ملک کی آزادی اور انتظام کے باعث کسی حد تک خطرے میں ہیں۔

کمزور کو باقی اور زندہ رکھنے کی یہ پالیسی صحیح جمہوری روایات کی حامل ہے اس کو اختیار کرکے کنفیڈریشن نے یہ ثابت کیا ہے۔ حکومت نے گریزن جیسے مقام پر جہاں تین زبانیں بولی جاتی ہیں۔ اور ویلیز اور فری بورگ میں جہاں دو زبانیں بولی جاتی ہیں۔ بہترین انتظام قائم رکھا ہے اور چونکہ لسانی سرحدیں جغرافیائی سرحدوں کے ساتھ نہیں ہیں لہٰذا ان میں طبقاتی اختلاف پیدا نہیں ہوتا اگر وہ اختلاف پیدا کرتے تو تمام سوال پیچیدہ ہو جاتا۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اخبارات میں بھی چاروں زبانوں کو نمائندگی حاصل ہے اور ریڈیو میں لسانی اقلیتوں کو فراخدلانہ مراعات دی گئی ہیں۔ تین جرمن زبان کے ریڈیو اسٹیشن ہیں اور دو فرانسیسی اور ایک اطالوی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ ان کا کام دنیا کے لئے ایک قابل تقلید نمونہ اور پیغام ہوگا۔

اس چھوٹے سے غیر جانبدار ملک نے یہ ثابت کر دی ہے کہ بھلائی اور رواداری کا جذبہ مختلف زبانیں بولنے والوں میں نہ صرف ممکن ہی ہے۔ بلکہ وہ زبانیں خود زندگی کو متمول بنا دیتی ہیں اور سوئٹزرلینڈ اس کی زندہ مثال ہے۔

متحدہ جرمنی کی گفت و شنید

چار بڑی طاقتوں کے وزیر خارجہ نے متحدہ جرمنی کے موضوع پر اپنی گفت و شنید کی کانفرنس کا آغاز کیا۔

مغربی طاقتوں کے وزراء کو توقع تھی کہ ایم وشنسکی روسی وزیر خارجہ ان کے متحدہ جرمنی کے منصوبہ کے بارے میں جو دستاویزات پر مشتمل ہے قطعی طور پر نفی میں جواب دے دیں گے کیونکہ اس میں کوئی چیز ماسکو کی جانب سے پیش کردہ تجاویز کے ساتھ مشترک نہیں پائی جاتی ہے تجاویز ماسکو میں جرمنی پر چاروں طاقتوں کے کنٹرول کا منصوبہ پیش کیا گیا تھا۔

برطانیہ، فرانس اور ممالک متحدہ امریکہ کی جانب سے مغربیوں نے جو منصوبہ پیش کیا تھا جس پر مسٹر وشنسکی کی ایک ہفتہ تک غور و خوض کرتے رہے ہیں اس کی عملی حیثیت کے بارے میں مغربی طاقتوں کے وزراء سے مزید تفصیلات طلب کئے بغیر فوراً مسترد کر دئے جانے کی کوئی توقع نہیں کی جا رہی تھی۔ مگر گذشتہ ہفتہ کو روسی وزیر خارجہ نے اس منصوبہ کے ناقابل عمل اور یکطرفہ ہونے کا خیال ظاہر کیا ہے۔

اس سلسلہ میں ڈیلی ٹیلیگراف اور ٹائمز آف انڈیا کا نامہ نگار رقمطراز ہے کہ ایک ہفتہ تک طویل تقریروں کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے مذکورالصدر چار وزراء نے ان کے متعلقہ پیش نامہ کے پہلے موضوع کو ابھی ختم نہیں کیا ہے۔ پیش نامہ کا پہلا موضوع متحدہ جرمنی اور اس کے اقتصادی و سیاسی مسائل سے متعلق تھا۔

(باقی صفحہ [illegible] پر)

سیاسی نمک پارے

از

کشاف

بالتنقید :-

درج فہرست اقوام کے لیڈر مسٹر سیا ایک تقریر میں کہتے ہیں کہ اسٹیٹ کانگریس انتشار کی حالت میں ہے۔ ریاست کے مستقبل کے متعلق اس کے پاس کوئی واضح تصور نہیں ہے۔ اسٹیٹ کانگریس کی حیثیت وہی ہے جو دوسری جماعتوں کی ہے مگر تعجب ہوتا ہے کہ اس کو واحد سیاسی جماعت سمجھا جاتا ہے۔ اگر حکومت اسٹیٹ کانگریس کو واحد نمائندہ جماعت تسلیم کرے گی تو دوسری جماعتیں خاص کر انجمن درج فہرست اقوام اس کو برداشت نہیں کرے گی۔

گزشتہ ہفتہ جب ہندوستان کی مجلس دستور ساز کا جلسہ صبح آٹھ بجے شروع ہوا تو اکثر ارکان غیر حاضر تھے جس کی وجہ سے نصاب پورا نہ ہو سکا۔

(ایک خبر)

(اقتدار ملنے کے بعد مجلس دستور ساز کے ارکان سمجھ رہے ہوں گے۔

کارواں ہو گیا آسودۂ منزل اپنا

ایک خاتون "پردہ اور اسلامی احکام" کے عنوان کے تحت ایک مضمون میں مروجہ پردہ کی تائید کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ :-

کیا اسلامی معرکوں میں خواتین اسلام نے مردوں کے دوش بدوش رہ کر کام انجام نہیں دیے؟۔

اگر اس زمانہ میں بھی دوش بدوش کام انجام دیں تو کیا مضائقہ ہے؟۔

اخباری اطلاع ہے کہ :-

راجہ دھونڈیراج بہادر نے مخالف کمیونسٹ محاذ کا افتتاح فرمایا اور ایک جلسۂ عام میں پنڈت ونائک راؤ نے تقریر کی۔

ہم سمجھ رہے تھے کہ مخالف کمیونسٹ محاذ سے متعلق معاصر "پیام" کی خاموشی کسی مصلحت پر مبنی ہے۔ ہمارے ایک دوست جو ترقی پسندوں کے گروہ سے نکال دئے گئے ہیں کہنے لگے۔

عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام ابھی!!

سنعید اروں کے ایک شائرہ میں تقریر کرتے ہوئے مولوی ابوالحسن سید علی نے فرمایا کہ :-

بعض حلقوں سے یہ آوازیں آیا کرتی ہیں کہ حیدرآباد کو تین لسانی صوبوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ اگر ایسا ہو تو اس سے اور بھی پریشانی بڑھ جائے گی۔

حیدرآباد کی تقسیم سے قیادت کے جھگڑے ختم ہو جائیں گے اور وزارت کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوگا اس لئے لیڈروں کی پریشانی ایک فطری امر ہے۔

اسی تقریر میں مولوی صاحب نے فرمایا کہ جب ہندوستان کی تقسیم ناممکن ہے تو حیدرآباد کی لسانی تقسیم بھی ناممکن ہے۔

ہے خواب میں ہنوز جو جاگے ہے خواب میں

مسٹر آر، ماتھر آرگنائزر رکشا مزدور یونین ایک بیان میں کہتے ہیں کہ :-

بعض مقامات پر رکشاؤں کو روک کر چار چار آنے وصول کئے جا رہے ہیں۔ جب رکشا ران مرشہ رضیا کے مکان کے سامنے سے گزرتے ہیں تو ان سے زبردستی چار آنے وصول کئے جاتے ہیں۔

آخر چائے، شکر، مرچ اور چائے کی ذخیرہ بندی میں جو خسارہ ہوا ہے اس کی پابجائی کی کوئی تو صورت ہونی چاہئے۔

نئی دہلی سے واپس آکر سوامی راما نند تیرتھ نے ایک بیان میں کہا کہ موجودہ حکومت میں تبدیلی کا مستقبل قریب میں کوئی امکان نہیں۔

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ!!

ڈاکٹر جیسو سیا نے ایک طویل بیان میں کہتے ہیں کہ :-

حیدرآباد کے سیاسی رہنما جناب سوامی رامانند تیرتھ کے متعلق مجھے کبھی غلط فہمی نہیں ہوئی۔ ان میں قوت فیصلہ مفقود ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

سوامی جی کو ہم نے ایک سال قبل مشورہ دیا تھا :-

دنیا جو چھوڑ دی ہے سیاست بھی چھوڑ دی

ہندو مہا سبھا فرقہ داری جماعت نہیں۔

(ایک اخباری سرخی)

بمبئی کے مسلمان مسلم لیگ کی سیاسی سرگرمیوں کے دوبارہ آغاز کے خلاف ہیں۔

(دوسری سرخی)

ماڈرن نیوز کی اطلاع ہے کہ :-

ناراینا پیٹھ میں اسٹیٹ کانگریس کے سابق صدر اور موجودہ معتمد نے دن کے گیارہ بجے مانک بائی بیوہ کے مکان سے تجوری لے جا رہے تھے۔ عوام نے راستہ میں انھیں روک لیا۔ تجوری سڑک پر پڑی ہے اور پولیس نے فوری تحقیقات کی۔

یہ کیسے ممکن ہے؟۔ ایسی حرکتیں صرف غیر سماجی عناصر کرتے ہیں۔ جب تک ڈاکٹر میلکوٹے اس خبر کی توثیق نہ کریں ہم باور کرنے کے لئے تیار نہیں۔

جلاپورم کیشو راؤ ایک تقریر میں کہتے ہیں کہ فوجی حکومت ان لوگوں کی آبادکاری کے لئے پوری کوشش کر رہی ہے جو رضاکاروں کے مظالم کا شکار ہوئے تھے۔

کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ فوجی حکومت مسلمانوں کو از سر نو بسانے کی کوشش نہیں کر رہی ہے یا یہ کہ مسلمان غیر سماجی عناصر کے مظالم کا شکار ہوئے ہی نہیں۔

ہندوستانی کلچر اور زبان

ایک بیجا اعتراض

پچھلے ایک ڈیڑھ برس میں جب سے پاکستان بنا ہے ہمارے ملک کے کچھ حلقوں سے یہ بات بار بار کہی گئی ہے کہ اگر ہندوستان کے مسلمانوں نے ہندوستان کے کلچر کو نہیں اپنایا تو وہ وفادار اور محب وطن نہیں مانے جائیں گے

انصاف اور ایمانداری کی بات تو یہ تھی کہ اس بات کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتایا جاتا کہ کون کون کام یا طور طریقہ ہندوستانی کلچر میں شامل ہے اور کون کون ہندوستانی کلچر کے خلاف ہے۔ لیکن سوائے زبان کے اور کسی بارے میں ہندوستانی کلچر کی تشریح نہیں کی گئی۔ زبان کے بارے میں البتہ یہ کہا گیا ہے کہ اگر مسلمانوں نے اردو کو چھوڑ کر ہندی کو نہیں اپنایا تو ان کو وفادار نہیں مانا جائے گا۔

اس میں تو شک نہیں کہ اگر کوئی مسلمان ہندی کو ہندوؤں کی زبان سمجھتا ہے اور اردو کو مسلمان کی زبان سمجھتا ہے۔ اسی بنا پر وہ ہندی کی بجائے اردو کو زیادہ پاک مانتا ہے اور ہندی کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اس کی مخالفت کرتا ہے تو وہ ہمارے سماج کے لئے خطرناک ہے۔ لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر کوئی مسلمان ہمارے ملک کی بہت سی زبانوں میں سے کسی ایک خاص زبان سے دلچسپی رکھتا ہے اور اس کی بہتری چاہتا ہے یا اس کا پرچار کرتا ہے تو اس کے اس سوئی سیدھی ادبی خیال کی وجہ سے ہم اس کی وفاداری اور غیر وفاداری کا فیصلہ کیسے کر سکتے ہیں؟

ایک الجھن یہ بھی ہے کہ آج ہندی کی مخالفت جتنی سکھوں کی طرف سے، مدراسیوں کی طرف سے اور بنگالیوں کی طرف سے ہو رہی ہے اتنی مسلمانوں کی طرف سے نہیں ہو رہی ہے تو کیا ہم ان سکھوں، مدراسیوں کو بھی غیر وفادار مان لیں گے؟

جواب میں کہا جائے گا کہ ہندی کے مخالف یہ سکھ، مدراسی، بنگالی، ہندی پر جن زبانوں کو ترجیح دیتے ہیں، وہ زبانیں ہندوستان کی ہیں۔ اس کے جواب میں میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اردو بھی ہندوستان کی ہی بیٹی ہے اردو کا جنم اور اس کی پرورش ہندوستان میں ہوئی اور ہندوستان سے باہر کہیں بھی دوسرے ملک میں اردو نہیں بولی جاتی۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اردو میں بہت سے لفظ بدیسی بھی ہیں لیکن زبانوں کا علم جاننے والا کوئی بھی عالم جانتا ہے کہ دنیا میں کوئی ایسی زبان نہیں جس میں بدیسی الفاظ نہ ہوں

سنسکرت تک میں سیکڑوں لفظ بدیسی ہیں اور عالموں میں ایک بہت بڑے طبقے کی تو رائے ہے کہ سنسکرت خود بدیسی زبان ہے۔ اس کے علاوہ بنگلہ، مرہٹی، گجراتی اور اسی طرح کی کئی صوبائی زبانوں میں سیکڑوں لفظ عربی فارسی کے ہیں اگر ان زبانوں کو پیار کرنا غیر وفاداری نہیں تو پھر اردو کو پیار کرنا ہی کیسے غیر وفاداری ہو سکتا ہے؟

ایک دقت یہ بھی ہے کہ اگر ہم نے اردو، فارسی کے لفظوں کو استعمال نہ کرنا ہی وفاداری کی کسوٹی مانا تو سورداس، تلسی داس، کبیر، نانک اور اسی طرح کے ہزاروں مشہور شاعروں اور سنت جنھوں نے اپنی شاعری اور زبان میں عربی فارسی کے لفظوں کا بڑی فراخ دلی کے ساتھ استعمال کیا ہے ہمارے نزدیک غیر وفادار ہو جاویں گے۔ گورو گوبند سنگھ جی بھی اسی لحاظ سے وفاداروں کی فہرست میں سے نکال دئے جائیں گے۔ کیونکہ انھوں نے تو فارسی میں شاعری کی ہے۔

پھر ایک بات یہ بھی اٹھ کھڑی ہو گی کہ ہم پنجاب، سرحد اور یوپی کے ان لاکھوں ہندوؤں کو مسلمانوں کی بات جانے دی جائے جو عربی فارسی کے لفظوں کو استعمال کرنے کے عادی ہیں۔ غیر وفادار مان لیں گے اور پوربی بنگال کے ان مسلمانوں کو وفادار مانیں گے جنھوں نے پاکستان بنوانے میں پورا حصہ لیا ہو۔ لیکن بنگلہ زبان کے لئے اور اردو کی مخالفت میں حال ہی میں اپنی جان کی بازی تک لگا دی تھی۔

اس کے علاوہ ہمارے ملک کے ان اہل قلم کا کیا ہو گا جو ہندی قطعی نہیں جانتے اور انگریزی میں ہی لکھنے پڑھنے کے عادی ہیں کیونکہ انگریزی بھی آخر ہے تو بدیسی زبان۔

اس کے علاوہ ہم اپنے محب وطن اور شہیدوں کے بارے میں بھی بڑی الجھن میں پڑ جاویں گے۔ سبھی جانتے ہیں کہ کاکوری کیس میں پھانسی پر لٹکنے والے شری رام پرشاد بسمل اردو کے شاعر تھے۔

ہندوستان کی آزادی کے لئے غیر ملکوں میں اپنی زندگی گزار دینے والے شری امبا پرشاد صوفی ہندی کا حرف تک نہیں جانتے تھے اور اردو فارسی کے پنڈت تھے سردار اجیت سنگھ کی بھی یہی حالت تھی۔ یہ تو صرف کچھ مثالیں ہیں ہمارے ہزاروں محب وطن شہید ایسے ہیں جو ہندی قطعی نہیں جانتے تھے۔ یا صرف اردو ہی جانتے تھے۔ ہزاروں ایسی مثالیں بھی ہیں جب سنسکرت اور ہندی کے ان پنڈتوں نے ملک کے ساتھ غداری کی تب کیا ہم صرف اردو جاننے والے شہیدوں کو غیر وفادار اور ہندی سنسکرت کے ان پنڈتوں کو محب وطن مانیں گے؟

ایک بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ اردو کی شاعری میں جو تشبیہات دی جاتی ہیں۔ وہ سب فارس اور عرب کی ہوتی ہیں۔ ہندوستان کی نہیں ہوتیں۔ کسی حد تک یہ بات ٹھیک ہے۔ لیکن اس کا کارن یہ نہیں ہے جیسا کہ سمجھا اور کہا جاتا ہے کہ اردو کے شاعروں کو ہندوستان کے کلچر سے پریم نہیں تھا۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اردو کے شری برج نرائن چکبست جیسے شاعر جن کی نظمیں آج بھی مردہ دلوں میں جان پیدا کر رہی ہیں اور جوش ملیح آبادی جو ہندوستان کی آزادی کے لئے جوش پیدا کرنے والی نظموں کو لکھنے کے جرم میں کافی تکلیفیں اٹھا چکے ہیں۔ اسی ڈھرے کو کیوں اپناتے یا ڈاکٹر اقبال کا آخری کلام ترجیح کیوں کرتے۔ در حقیقت تو یہ ہے کہ اردو شاعری نے فارسی کے ڈھرے کو جو اپنایا تو وہ اسے چھوڑ نہ سکی۔ ٹھیک اسی طرح جیسے کہ آج ہندی زبان میں انگریزی زبان کے بیسیوں محاورے اور کہاوتیں چل رہی ہیں اور ان کو ہندی کے اہل قلم چھوڑ نہیں پا رہے ہیں یا چھوڑنا ضروری نہیں سمجھتے۔ پر یہ نہ بھول جانا چاہئے کہ اردو کی سیکڑوں یا ہزاروں نظمیں، غزلیں ایسی ہیں جن میں سولہ آنے ہندوستانی ماحول ہے۔ کرشن کی جنم، جمنا کا کنارا، لکھنؤ کی شام، بنارس کی شام، سنگم، ہوا چندر کا جوار اور اسی طرح کے ان سبھی مضمونوں پر جو کسی شاعر کو اپیل کر سکتے ہیں۔ اردو مسلمان شاعروں نے کہی ہیں۔ ان کے علاوہ ہزاروں لاکھوں قومی نظمیں ہیں جنھوں نے ہماری آزادی کی لڑائی میں جوش پیدا کیا ہے۔ کاکوری کے شہید شری رام پرشاد بسمل اکثر عدالت آتے جاتے وقت "سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے" گایا کرتے تھے۔ سردار بھگت سنگھ جی جب پھانسی کے تختہ پر جھولنے جا رہے تھے تب اپنے ساتھیوں کے ساتھ "میری مٹی سے بھی خوشبوئے وطن آئے گی" گاتے جا رہے تھے۔ کاکوری کے ایک اور دوسرے شہید ڈاکٹر روشن سنگھ جی جب پھانسی پر جھول گئے تب ان کی کوٹھری کی دیوار پر بہت سے اردو کے شعر لکھے تھے تو کیا ہم آج کلچر اور وفاداری کے ان نئے ٹھیکیداروں کے کہنے سننے پر یا ان کے دھمکانے پر اپنے شہیدوں کی ان یادگاروں کو بھی ختم کر دیں گے؟

کہا یہ بھی جاتا ہے کہ اردو شاعری کی جو بحریں ہیں وہ بدیسی ہیں جو گھسیٹ کر لکھی جاتی ہیں ان کو سمجھانے کے لئے ہندی کے مشہور کوی پنڈت ہری شنکر شرما کی "رنگ کارا" وہ پڑھنا چاہئے جس میں انھوں نے بڑی آسانی سے ثابت کر دیا ہے کہ اردو کی ہر ایک بحر جیسی کی تیسی ہندی ہے۔ پھر ہمیں یہ بھی سوچنا چاہئے کہ جب ہندی میں سانیٹ لکھے جا سکتے ہیں تو فارسی کی بحر کو بھی استعمال کرنے میں کیا حرج ہو گیا اور جو آج

شام کا فوجی انقلاب

مشرق وسطیٰ میں امریکی پالیسی

آج کون تم تصویر کی دو نظریہ مقادر عنصری آف ریلیٹوٹی (نظریہ اضافت) کو سمجھنے والے ہر جگہ نہیں ملیں گے لیکن یہ نہیں کہ تو وہ لوگ جو برطانیہ اور امریکہ کی پالیسی کو سمجھیں اور اس کا تجزیہ کرکے قوم کو آگاہ کریں۔ وہ پالیسیاں جو لندن اور واشنگٹن سے متعلق سمجھی ہیں ان کو کوئی کیا سمجھے گا۔ وہ پالیسیاں اور ان کی کارروائیاں بھی فوق العقل ہیں جن کا جال آج دنیا میں چین میں، فلسطین میں، شام میں اور ایران میں پھیلایا جا رہا ہے۔ ذرا کسی خوردبین یا دوربین کے ذریعہ اس پالیسی کا سراغ تو لگائیے جو اس وقت فلسطین، شرق اردن سے شام کی طرف منتقل ہو رہی ہے اور جس کے ابھرتے ہوئے نقوش شام کے تازہ فوجی انقلاب میں نظر آ رہے ہیں۔

یہ گہری پالیسی ہی کا نتیجہ ہے کہ ہم بہت سے لوگ شام میں فوجی انقلاب ہوتے ہی شبہ میں پڑ گئے اور اس فکر میں ہیں کہ شام کی حکومت کو کس لئے معزول اور معطل کیا گیا اور فوجی افسروں نے اس پر امن انقلاب میں اپنا پارٹ کس لئے ادا کیا۔ قائد انقلاب کرنل حسینی نے اس انقلاب کے جو اسباب اپنے مختلف بیانوں میں بتائے ہیں۔ ان میں ایک سبب بھی ایسا نہیں جو کسی ہوشمند کی سمجھ میں آ سکے۔ بردوں کو جو ... ہیں سے سرفراز کرنا انقلاب کی کوئی وجہ موجود نہیں۔ سابق وزراء پر خورد برد ... کا الزام بھی اس کو بے نقاب نہیں کرتا۔ البتہ ایک وجہ سمجھ میں آتی تھی جب کہ ہم شک میں پڑ گئے تھے۔ شام کا فوجی انقلاب دراصل ان عرب ریاستوں کے خلاف ایک احتجاج ہے جو انفرادی طور پر اسرائیل سے صلح کر کے معاہدے کر رہی ہیں۔ کرنل حسینی جو اس ... سے بیزار ہیں اور عرب لیگ کی یہ بھی کوشش ہے کہ ساتھ ... کر رہے ہیں اور انقلاب برپا کر کے اسرائیل سے برسر جنگ ہونا چاہتے ہیں۔ مگر یہ شبہ فوراً زائل ہو گیا جب یہ خبر آئی کہ شام اور اسرائیل میں جنگ بند کرنے کے معاہدے پر دستخط ہو گئے ہیں۔ اور دونوں میں عنقریب گفت و شنید ہونے والی ہے۔ اب آگے چلیے۔ قائد انقلاب کرنل حسینی چاہتے ہیں کہ وہ شام سے ملا کر شرق اردن اور عراق کو شامل کر کے عظیم شام کی سلطنت قائم کریں۔ لیکن شاہ عبداللہ جو عظیم شام کا خواب ایک عرصہ سے دیکھ رہے ہیں۔

شام کے فوجی انقلاب پر کرنل حسینی کو جو شام کے چیف سے سرفراز فرماتے ہیں اور یہ اعلان کرتے ہیں چونکہ کہ اس انقلاب کے بعد عظیم شام کی تشکیل کا راستہ صاف ہو گیا ہے۔ اب آپ اندازہ لگائیے کہ شام کی سابق حکومت عظیم شام کی تشکیل کی موید تھی یا مخالف! اور موجودہ انقلاب کے ہیرو کرنل حسینی انتخابات کے ساتھ ہیں یا نفی کے، لیکن قرائن ایسے ہیں جو کرنل حسینی کے انقلاب کے اسباب کو پوشیدہ رکھتا فوجی انقلاب سے شاہ عبداللہ کی توقعات عظیم شام کی اسکیم سے سابق حکومت کی بے اعتنائی اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ شام کے فوجی انقلاب کو عظیم شام کی اسکیم سے گہرا تعلق ہے اور اس انقلاب میں براہ راست برطانیہ کا ہاتھ ہے۔ ہم اس معاملہ میں برطانیہ کو کسی شبہ کی بنا پر ملوث نہیں کرتے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ برطانیہ مشرق وسطیٰ میں جو کچھ کرنا چاہتا ہے شاہ عبداللہ کے ذریعہ کرتا ہے اور یہی "فخر عرب" امریکہ اور برطانیہ کی پالیسی کے نفاذ کا ذمہ دار ہے۔ فلسطین کی تقسیم اسی شخص کے تعاون سے عمل میں آئی ہے۔ اسرائیلی حکومت کا قیام اسی مایہ ناز فرزند عرب کے ماورائے اردن حکمراں کے توسط سے عمل میں آیا۔ پھر تعجب کی کونسی بات ہے اور شام کبیر کی برطانوی اسکیم بھی اس غارت گر ایمان کے ذریعہ پایۂ تکمیل کو پہنچے!۔

ان واقعات پر گہری نظر ڈالنے کے لئے اس خبر کو بھی خاص اہمیت دیجئے کہ شاہ عبداللہ کی پریذیڈنٹ سے ملاقات کرنے کے لئے ترکی تشریف لے جا رہے ہیں اور کرنل حسینی انقلاب سے دو مہینے پہلے ... کر چکے ہیں کہ ترکی، مشرق وسطیٰ کے تحفظ کی پہلی چوکی ہے۔ ان اشارات سے کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ اور برطانیہ عرب لیگ کو ختم کرکے ترکی کے ذریعہ مشرق وسطیٰ کی سیاسی و دفاعی تنظیم کرنا چاہتے ہیں اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ اسرائیل کے معاملہ میں عرب ممالک عرب لیگ کے قبضہ سے نکل گئے اور انہوں نے اپنے اپنے طور پر اسرائیل سے معاملات طے کر لئے۔

بہرحال ہم ابھی اس قابل نہیں ہیں کہ شام کے فوجی انقلاب کے باوجود اسباب پر روشنی ڈال کر کوئی حتمی نتیجہ نکال سکیں۔ لیکن ایک بات یقینی ہے وہ یہ کہ عرب کے مسلم ممالک سیاسی اقتصادی اور فوجی نقطۂ نظر سے ناقابل اعتبار ہیں اور مشرق وسطیٰ کی فلاح و بہبود کے پیش نظر ان پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ جو شخص بھی عرب ریاستوں سے کسی قسم کی توقع رکھے گا وہ دوسرا کی بات ہے!۔

انسان کتنا ہی کمزور ہو ایک قسم کی خودداری ضرور رکھتا ہے اور افسوس ہے کہ عرب اس خودداری سے بھی محروم ہو چکے ہیں۔ اگر عرب چاہتے تو یہودیوں کو فنا کے گھاٹ اتار سکتے تھے مگر انہوں نے اثبات و نفی کا گورکھ دھندا کھڑا کر کے فلسطین کی تقسیم کو منظور کیا۔ ناکامیابی اور شکست خوردگی کی صورت میں یہود سے صلح کی اور انہیں طاقتور بننے کا موقع دیا پھر اسرائیل حکومت کے قیام پر مہر لگا کر اور ان سے اپنے اپنے طور پر صلح کی گفت و شنید کر کے اپنی وحدت کا بھی انجام کر ڈالی! بیشک بعض عربوں نے حکومت اسرائیل کو تسلیم نہیں کیا ہے۔ مگر یہ تسلیم نہ کرنا بھی ایک فریب ہے کیونکہ اسرائیل سے گفت و شنید اور معاہدات کا انعقاد خود ضمناً تسلیم کے مترادف ہے اور ترکی نے اسرائیل کو تسلیم کر کے رہی سہی کسر بھی پوری کر ڈالی ہے۔ اب دیکھئے شام عظیم کی تحریک کیا گل کھلاتی ہے اور شاہ ... شاہ عبداللہ مشرق وسطیٰ کا بیڑا کہاں جا کر غرق کرتے ہیں۔ (الجمعیۃ)

مشرق بعید میں امریکی پالیسی

معلوم ہوا ہے کہ چند دنوں سے امریکی محکمہ خارجہ پر دباؤ ڈالا جا رہا ہے کہ وہ اپنی مشرق بعید اور بحر الکاہل کی پالیسی کا اعلان کرے۔ سمجھا جاتا ہے کہ امریکہ کے دفاعی محکمہ کے عہدہ داروں بالخصوص سابق وزیر دفاع لوئی جانسن نے امریکی وزیر خارجہ سے اصرار کیا ہے کہ وہ مشرق بعید سے متعلق اپنی وسیع پالیسی کا اعلان کرے۔ فوجی منصوبہ بندی کرنے والوں نے اس امر پر اس لئے اصرار کیا ہے کہ وہ ایسا اعلان ہونے کے بعد ہی فوجی انتظامات کے منصوبے تیار کر سکتے ہیں۔ محکمہ دفاع کا مسلسل اصرار، محکمہ خارجہ کی "انتظار کرو اور دیکھو" کی پالیسی اور کانگریس کا بڑھتا ہوا دباؤ، معلوم ہوتا ہے کہ ان سب کے مشترکہ ردعمل کا نتیجہ امریکی طرز عمل سے ظاہر ہوگا۔ حالیہ اطلاعات ہیں کہ وزیر خارجہ ڈین ایچسن نے ... لگانے کی پالیسی ترک کر دی ہے۔ ابھی تصدیق طلب ہیں بہرحال یہ بات یقینی ہے کہ اگلے ماہ جب مسٹر ایچسن پیرس سے وزرائے خارجہ کانفرنس کے بعد واپس ہوں گے تو وہ اپنے ماتحت عہدہ داروں سے سب سے پہلے اس مسئلہ پر مشورہ کریں گے۔ یہاں تک کہ فوجی عہدہ دار بھی جو اب وزیر خارجہ کی انتظار کرو کی پالیسی کے پابند تھے اور چین کے حالات کی یکسوئی کے منتظر تھے اب بے چین ہیں کہ امریکی پالیسی کا اعلان ہو جائے تاکہ کمیونزم کے خلاف کسی موزوں مقام پر متحدہ محاذ قائم کیا جا سکے ... چین کی ...

(باقی ...)

ہندوستان کا دستور

صوبائی گورنر منتخب نہیں بلکہ نامزد کئے جائینگے

توقع کی جا رہی ہے کہ ۲۱ مئی کے اجلاس میں اس طریقہ کی موافقت میں فیصلہ کرنے والی ہے کہ صوبائی گورنروں کی نامزدگی صدرِ مجلس کے ذریعہ عمل میں لائی جائے گویا اس ابتدائی فیصلہ کی نفی ہوتی ہے جس میں یہ تصفیہ کیا گیا تھا کہ ابتدائی رائے دہندے جس طرح کے ممالک متحدہ میں کیا جا رہا ہے۔

انتخاب کے ذریعہ گورنروں کے تقرر کے متعلق ابتدا میں پراونشل ماڈل کانسٹی ٹیوشن یونین کانسٹی ٹیوشن کمیٹی نے مشترکہ طور پر تجویز پیش کی تھی۔ اور اب اچانک اس فیصلہ کو تبدیل کر دیا گیا کہ براہ راست انتخاب کا طریقۂ کار اختیار کیا جانے کی وجہ سے بڑی چہ میگوئیاں شروع ہو گئی ہیں۔

اس طریقہ کار کو مجلس دستور ساز کے کل کے اجلاس میں مسودات مرتب کرنے والی کمیٹی نے پیش کیا۔ اور کانگریس پارٹی نے اس کی تصدیق بھی کر دی۔ کہا جا رہا ہے کہ اب دستور کی ترتیب میں سب سے عجیب و غریب بات یہ ہے کہ جس وقت سے اس کی مسودہ نویسی شروع ہوئی ہے اس وقت سے اب تک ہندوستان کے حالات میں بڑی تیز رو تبدیلیاں پیش آتی جا رہی ہیں۔

مجلس دستور ساز کا ابتدائی اجلاس ۹ دسمبر ۱۹۴۶ء کو منعقد ہوا تھا جس وقت کہ پاکستان کے وجود میں آنے کا کوئی امکان نہ تھا کیونکہ کابینہ مشن نے اپنے ۱۶ مئی ۱۹۴۶ء کے بیان سے اس مسئلہ کو بالکل خارج کر دیا تھا اور انہیں بنیادوں پر ساری گفتگو کے مفاہمت شروع ہوئی تھی۔ اور جس وقت اگست کے مہینے میں عارضی حکومت مرتب کی گئی اور مسلم لیگ نے اس میں شرکت سے احتراز کیا تو سمجھا جا رہا تھا کہ دستور کی ترتیب نہایت سہولت بخش طریقہ پر عمل میں آ سکے گی۔ لیکن جس وقت وزارت میں شرکت کرتے ہوئے مسلم لیگ نے نومبر ۱۹۴۶ء کی مجلس دستور ساز میں بھی شرکت کر لی تو اس وقت عام طور پر یہ بات پیش نظر رہی کہ غیر منقسم ہندوستان کے لئے جہاں تک ہو سکے یہ دستور ناقابل اعتراض رہے۔

دستور کی ترتیب کے سلسلہ میں جو تیز رو تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں ان سلسلہ میں اقلیتوں کے تحفظ کے طریقہ کو مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ اوائل ۱۹۴۷ء میں اقلیتوں کی مشاورتی کمیٹی کی سفارشات کی بنا پر چند خاص فرقوں کے لئے نشستوں کے تحفظ کا طریقہ اختیار کیا جانے والا تھا۔ لیکن جب ہندوستان کی تقسیم عمل میں آ گئی اور ملک آزادی حاصل ہو گئی تو رفتہ رفتہ اس طریقہ کے متعلق نظریات میں تبدیلی پیدا ہونی شروع ہو گئی۔ اور آخر کار حال ہی میں ایک بڑا تغیر رونما ہوا اور مسلمانوں اور عیسائیوں کے لئے نشستوں کے تحفظ کا طریقہ ختم کر دیا گیا۔

اسی طرح ابتدا میں یہ تصفیہ کیا گیا تھا کہ ابتدائی رائے دہندوں کے ذریعہ گورنر کا انتخاب عمل میں لایا جائے گا تاکہ یہ انتخاب ہر قسم کے فرقہ وارانہ تعصبات سے پاک رہے۔ حالانکہ اسی وقت یہ محسوس کیا گیا تھا کہ امریکہ کا یہ طریقہ کار ہندوستان کے لئے موزوں نہ ہو سکے گا۔ لیکن ان بدلے ہوئے حالات میں محسوس کیا جا رہا ہے کہ گورنر محض دستوری گورنر ہو گا۔ اور نامزدگی کے اس مروج طریقہ کو جاری رکھنے سے عام طور پر اطمینان محسوس کیا جا رہا ہے۔ کیونکہ اس طرح ہر فرقہ کے افراد بحیثیت گورنر مقرر کئے جا سکیں گے۔

اس خصوص میں یاد دلایا گیا ہے کہ صرف حکومت کانگریس ہی کو نہیں بلکہ ہر قسم کے اور ہر مکتب خیال کے افراد کو گورنری کا موقع دیا جا چکا ہے۔ سب سے پہلا حیرت انگیز تقرر مسٹر ایم ایس اینے کا تھا۔ اس کے بعد سر اکبر حیدری کا تقرر عمل میں آیا۔ پھر مسٹر آصف علی اور سر مہاراج سنگھ کو بھی ان عہدوں پر فائز کیا گیا۔

بتلایا گیا ہے کہ ایک وسیع سلسلہ سے صحیح اور موزوں آدمی کا انتخاب کر کے تقرر کرنے کا طریقہ گویا امریکہ کے طریقہ کار سے ہٹ کر برطانیہ کے طریقہ کار کو اپنانے کے مترادف ہے۔ جس طرح کہ وزیر اعظم کے مشورے سے ملک معظم گورنروں کا انتخاب کرتے ہیں اسی طرح وزیر اعظم ہندوستان کے مشورے سے صوبائی گورنروں کا انتخاب کیا جائے گا۔ ساتھ ہی ساتھ متعلقہ صوبے کے وزیر اعظم کی بھی اس خصوص میں رائے معلوم کر لی جایا کرے گی۔

صدر کی حیثیت محض ایک ایسے عہدہ دار کی ہو گی جس کے تفویض کوئی کام نہ ہو بلکہ اس کی حیثیت ایک اعلیٰ اخلاقی مرتبہ کے ساتھ کام کرنے والے عہدہ دار کی ہو گی۔ صدر کے قابل اور تجربہ کار ہونے کی صورت میں وہ ایسے امور کو اخلاقی قوت سے منوا لے گا جو قانونی طور پر اس کی دسترس سے باہر ہوں۔ یہ استدلال پیش کیا جا رہا ہے کہ آئندہ نامزدگی اس کے طریقۂ کار کو جاری رکھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ملک کے حالات کے لحاظ سے گورنر کی دستوری حیثیت کو مطابق کرنے کی کوشش کی جائے۔ اگر ہر صوبہ کو گورنر کے انتخابات کے سلسلہ میں لاکھوں ابتدائی رائے دہندوں کے گروپ میں جھونک دیا جائے تو یہ امر ملک کی ترقی کے لئے انتہائی مضرت رساں ثابت ہو گا۔

اس خصوص میں استدلال یہ دیا جا رہا ہے کہ پالیسی اور اصولوں کی بنیاد پر واضح طریقہ سے گورنر کو نامزد کرنے کی بجائے اگر انتخاب کا طریقہ رائج کیا جائے تو پھر لازمی طور پر شخصی مسابقات کی انتہائی بیہودگیوں میں گر جانا پڑے گا۔ اور گورنروں سے انتخاب کے طریقہ کو منسوخ کر دینے کا یہ فیصلہ ملک کو اس قسم کی خطرناک حالت سے بچائے گا اور اگر انتخاب کے ذریعہ گورنر کے تقرر کے طریقہ کو رائج کر دیا جاتا تو پھر اور بھی کئی مشکلات پیش آ جاتی ہیں۔ اگر ایسا گورنر مستعفی ہو جائے یا اس کی علحدگی کا مسئلہ درپیش ہو تو ایسی صورت میں ان مسائل کے متعلق نئے سرے سے غور کرنا پڑے گا۔

باور کیا جاتا ہے کہ کل کے اجلاس میں کانگریس ان امور کا فیصلہ کرے گی۔

ہندوستانی کلچر اور زبان

(بقیہ سلسلہ صفحہ ۵)

ہندی میں بلک ورس (آزاد کانت)، ساعری کی رسم ہے۔ یہ کونسی موزونی ہے؟

یہاں میں جان بوجھ کر اس حقیقت پر روشنی ڈالنا نہیں چاہتا کہ مسلمانوں کا سنسکرت کے بارے میں کیا رویہ رہا ہے اور انہوں نے ان زبانوں کی کتنی بڑی خدمت کی ہے۔ پر میں اتنا ضرور کہوں گا کہ محمود غزنوی جیسے کٹر مسلمان کے سکوں پر بھی ہم کو سنسکرت کی عبارت ملتی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ محمود غزنوی کے دل میں سنسکرت کے لئے بہت کچھ عزت تھی پھر بھی کوئی سچا ہندوستانی محمود غزنوی کو یا اس جیسے کسی دوسرے آدمی کو اپنے ملک کا وفادار نہیں مانے گا۔ اس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ آج جو لوگ اردو کو ہندوستانی کلچر کا دشمن بتاتے ہیں۔ یا زبان کے سوال کی روشنی میں وفاداری اور غیر وفاداری کی پرکھ کرنے چلے ہیں اور کتنی بڑی بھول کر رہے ہیں۔

اشتہار حاضری مدعی علیہا مرتبہ عدالت منصفی پرسپنی واقع ۳۲ ورتیر ۱۳۵۵ف نمبر مقدمہ ۵۰ بابت ۱۳۵۵ف

نارائن ولد بابر راؤ ساکن گونڈی کھاڑن تعلقہ پرسپنی مدعی بنام منتورام وغیرہ مدعی علیہا۔ دعویٰ۔

دستقرار حق حیثیت۔ بنام پابھائی زوجہ بوجب نکاح ثانی محمود، با قوم مرہٹہ عمرہ ۲۰ سالہ پیشہ زراعت ساکن بوڑدہ تعلقہ پالم۔ ہرگاہ مقدمہ مسطورہ سے نام کئی مرتبہ سمن اجرا کئے گئے جس کی تعمیل مکان پر ہوئی لیکن تم حاضر نہیں آئے لہٰذا ذریعہ ہذا تم کو اطلاع دی جاتی ہے کہ تم بتاریخ ۱۵ امرداد ۱۳۵۵ف حاضر عدالت ہذا ہو کر اصالتاً یا وکالتاً جوابدہی کرو ورنہ کارروائی حسب ضابطہ ہوگی فقط

شرح دستخط — شرح دستخط

عہدہ دار صاحب عدالت۔ سررشتہ دار صاحب عدالت

مشرق بعید میں امریکی پالیسی

(بقیہ سلسلہ صفحہ ۶)

لیکن شانگ ہائی کے سقوط کے بعد اکثروں پر یہ ظاہر ہو گیا ہے کہ چیانگ کائی شیک کی حکومت کو اب امریکی امداد سے بچایا نہیں جا سکتا۔ اس لئے اب وہ ایشیا میں کمیونزم کا وسیع پیمانہ پر مقابلہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ امریکی پالیسی کا نقطہ نظر ایک لحاظ سے ایسا ہے بھی ہو کہ اگر کیا سات چینیوں نے ڈرومن کے نامزد شخص جالتی بٹرورتھ کو نائب وزیر خارجہ کے عہدہ کے لئے موزوں سمجھتی ہے۔ مسٹر بٹرورتھ اس وقت محکمہ مشرق بعید کے صدر ہیں اور وہ ایشیا کی چین سے متعلق ”ویٹ اینڈ سی“ والی پالیسی کے معمار ہیں ——

متحدہ جرمنی کی گفت و شنید

(بقیہ سلسلہ صفحہ ۳)

جنگ نامہ کے دوسرے موضوع برلن پر گرمی کا سوال میں شامل ہے۔ ایسی ہی دقتوں کا سامنا کرنا ہوگا۔ نیز برلن کے مذاکرات اب کسی پر امن گفتگو کے جاری رکھنے کے لئے مانع نہیں رہے ہیں۔

اشتہار عنقریب حاضری مدیون۔ مرتبہ محکمہ عدالت دیوانی ضلع عثمان آباد در نمبر مقدمہ ۱۳۵۵ بابت سال ۱۳۵۵ف باجلاس مولوی محمد ابوالحسن صاحب بی۔ اے ال۔ ال۔ بی ناظم عدالت ضلع۔ (۱) بھگوان (۲) کشن لال ولدان فتح چند مارواڑی ساکنان کلم۔ ڈگریداران بنام ساوتیرا بائی زوجہ تانیا قوم بنجارہ ساکن دھانورہ تعلقہ کلم مدیونہ دعویٰ۔ اجرائی ڈگری۔ بنام ساوترا بائی زوجہ تانیا قوم بنجارہ عمر ۶۲ سالہ پیشہ زراعت ساکن دھانورہ تعلقہ کلم۔ ہرگاہ۔ عدالت ہذا سے تمہارے نام متعدد مرتبہ نوٹس جاری کئے گئے لیکن تمہاری غیر حاضری یا تعمیل سے گریز کرنے کی وجہ سے تمہارے نام نوٹس پر تعمیل نہ ہو سکی۔ لہٰذا ذریعہ ہذا تم کو حکم دیا جاتا ہے کہ تم بتاریخ ۱۹ امرداد ۱۳۵۵ف روز پنجشنبہ وقت دس بجے ساعت عدالت ہذا میں اصالتاً یا وکالتاً حاضر ہو کر مقدمہ ہذا کی پیروی و جوابدہی کرو بصورت ثانی حسب ضابطہ کارروائی عمل میں لائی جائے گی۔ آج بتاریخ ۱۱ تیر ۱۳۵۵ف بہ ثبت دستخط میری و مہر عدالت کے جاری کیا گیا۔ فقط

شرح دستخط — شرح دستخط

عہدہ دار صاحب عدالت۔ سررشتہ دار صاحب عدالت

اعلان :- ذریعہ ہذا جمیع مالکان ادارہ جات کو جنہیں محکمہ ہذا سے راشن کارڈ جدید اجرا شدہ ہیں مطلع کیا جاتا ہے کہ تاریخ اعلان ہذا سے اندرون ایک ہفتہ وہ سابقہ راشن کارڈ جدید داخل کر کے جدید کارڈ جدید حاصل کر لیں۔ مالکان ہوٹلس کو ان سابقہ اجرا شدہ راشن کارڈز کے ساتھ لائسنس کی نقل۔ بلدیہ بابت سنہ رواں و اجازت نامہ دفتر ہذا اور مالکان متعلق ادارہ جات کو لائسنس بلدیہ مع اجازت نامہ دفتر ہذا پیش کرنا ہوگا۔ ورنہ ان کے کارڈز کی تجدید نہیں کی جائے گی۔ فقط۔ (شرح دستخط ناظم صاحب راشن بندی)

نشان (۵۶) مورخہ ۲۱ تیر ۱۳۵۵ف بحکم عالیجناب ملٹری گورنر حیدرآباد۔

اعلان : محکمہ معتمدی رسد حکومت حیدرآباد۔ بہ لحاظ اس کے کہ سکندرآباد میں عمومی صرف کے لئے راشن کارڈوں پر چسپاں شدہ پرچہ جات تعدادی کی مدت بتاریخ ۱۴ تیر ۱۳۵۵ف ختم ہوئی ہے لہٰذا بہ نفاذ ان اختیارات کے جو تحت دفعہ (۱۲) حکم راشن بندی ممالک محروسہ سرکار عالی بابت ۱۳۵۵ف ملٹری گورنر کو حاصل ہیں۔ راشن کارڈ مذکور کی تجدید کے بارے میں حسب ذیل حکم دیا جاتا ہے۔ جو ۱۵ تیر ۱۳۵۵ف سے نافذ ہوگا۔ حکم:- عمومی صرف کے لئے راشن کارڈز پر جو پرچہ جات تجدیدی ۱۴ تیر ۱۳۵۵ف کو ختم ہونے والے (۲۶) ہفتوں کے لئے چسپاں کئے گئے تھے ان کی تجدید راشن کارڈ مذکور متعلقہ عہدہ داران راشن بندی کے پاس حسب طریقہ مقررہ ناظم راشن بندی پیش کئے جانے پر من ابتدائے ۱۵ تیر ۱۳۵۵ف مزید (۲۶) ہفتوں کے لئے راشن کارڈز مذکور پر پرچہ جات تجدیدی چسپاں کر کے کی جائے گی پرچہ جات تجدیدی میں (۲۶) ہفتوں کے خانہ درج ہوں گے جو بسلسلہ سابق (۱۰۵) ویں ہفتوں سے شروع ہو کر (۱۳۰) ویں ہفتوں پر ختم ہوں گے۔ حکم۔ بتاریخ ۱۵ تیر ۱۳۵۵ف یا اس کے بعد کسی ایسی دستاویز راشن کی بنا پر جو تاریخ مذکور سے قبل جاری ہوئی ہو کوئی شخص مجاز نہ ہوگا کہ کوئی راشن شدہ شئے حاصل کرے اور نہ کوئی دوکاندار راشن بندی مجاز ہوگا کہ کوئی راشن شدہ شئے سربراہ کرے بجز اس کے کہ دستاویز مذکور کی تجدید حسب احکام اعلان ہذا ہو چکی ہو۔ فقط

شرح دستخط

معتمد صاحب رسد

اعلان :- بسلسلہ اعلان سابقہ ذریعہ ہذا جمیع مالکان ادارہ جات مشمول ہوٹل، بورڈنگ ہاؤز، اقامت خانہ جات، کلب، جلس، یتیم خانہ جات مذہبی و خیراتی ادارہ جات کو مطلع کیا جاتا ہے کہ تاریخ تجدیدی کارڈ ۱۵ امرداد ۱۳۵۵ف کو ختم ہوتی ہے اس لئے سابقہ راشن کارڈز قبل تاریخ مذکور سے قبل داخل کر کے جدید کارڈز حاصل کر لیں ورنہ تاریخ مذکور کے بعد کسی راشن کارڈ کی تجدید نہیں کی جائے گی۔ فقط

شرح دستخط

ناظم صاحب راشن بندی